Fikr-o-Nasar (Islamabad) 46:1,2 (2008)

فکر و نظر............ اسلام آباد   جلد: ۴۶   شمارہ: ۱، ۲

صاحب نسبت ابوالخیر کشفی☆

پروفیسر ڈاکٹر خورشید خاور امروہوی

کتاب خواہ کسی بھی موضوع پر لکھی جائے اور کوئی بھی لکھے اس میں کچھ نہ کچھ مفید باتیں ضرور ہوتی ہیں اور کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لکھنے والا اس میں اپنے جذبات و احساسات، اپنے تجربات و معلومات اور رجحانات و نظریات کا ماحصل سمو دے اور شائستگی و سادگی کے ساتھ کچھ ایسی پُرلطف و بامعنی اور مفید باتیں پیش کرے کہ جو قارئین کے لیے سببِ افادہ اور باعث لطف و انبساط ہوں اور وہ اُن سے کماحقہ متمتع ہوسکیں۔ اس طرح لکھنے والے کے اندر کا باصلاحیت قلمکار بھی گرم رفتار ہو جاتا ہے اور اُس کی خوابیدہ صلاحیتیں بھی بیدار ہو کر زندگی کی علامت بن جاتی ہیں۔ چنانچہ علم لدُنی کی روشنی میں وہ جو کچھ لکھتا ہے، گویا اصطلاحی طور پر کلک ذہانت میں بطور روشنائی خونِ جگر بھر کر لکھتا ہے، جس کی اثر پذیری کی بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے۔

یہ ایک دستور بن گیا ہے کہ لکھنے والا اپنی تصانیف و توالیف اپنی پسندیدہ شخصیات اور دوسرے ایسے ہم خیال حضرات کو پیش کرتا ہے کہ جنہیں وہ اس کا اہل سمجھتا ہے۔ اپنی اسی پیشکش کے وقت اس کے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں یہ خواہش ضرور چھپی ہوتی ہے کہ اس کے ارمغان کو قدر کی نظر سے دیکھا جائے اور اس کی کوششوں کا سراہا جائے گا اور یہ سوچنے میں وہ حق بجانب ہوتا ہے، کیوں کہ یہ اس کا حق ہے اور جسے وہ اپنی تخلیق پیش کر رہا ہے یا جو اس کی محررہ کتاب پڑھ رہا ہے یعنی اس کے قاری کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ محصلہ کتاب پڑھ کر اپنے تأثرات قلم بند کرے۔ اس لیے کہ:

خواہش جاہ و حشم فطرتِ انسانی ہے
میرے سینے میں بھی دل ہے کوئی پتھر تو نہیں

(خورشید خاور امروہوی)

میرے نزدیک وہ لوگ ہرگز پسندیدہ نہیں ہو سکتے کہ جو کسی کی پیش کردہ کتاب کو شجر ممنوعہ سمجھ کر بہ نظر تحقیر دیکھیں اور محض تکلفاً چند اوراق اُلٹ پلٹ کر بغیر پڑھے ایک طرف ڈال دیں یا بر بنائے

☆ جہانِ حمد (کتابی سلسلہ) ۲۳/ستمبر ۲۰۰۳ء

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

تعلق خاطر جستہ جستہ پڑھ کر اظہار تأثر کے بغیر رکھ دیں اور اگر کسی وجہ سے لکھنا ہی پڑ جائے تو حوصلہ افزائی اور حقیقت بیانی سے گریز کرتے ہوئے کچھ الفاظ کا محض گورکھ دھندا پیش کر دیں جس سے بے چارہ مصنف، مؤلف یا مرتب گراں بار احسان ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں ایسے خود پسند و مدِمّغ لوگ ہرگز کسی ادب و احترام اور ستائش کے مستحق نہیں، جو اپنے منثور یا منظور کلام کو تو بلاغت نظام ٹھہرائیں اور دوسروں کی کاوشاتِ ذہنی کو پڑھنا تضیع اوقات سمجھیں ایسے لوگ ادبی جرم کے مرتکب ہوتے ہیں جن کا ادبی مقاطعہ ہونا چاہیے۔

عوام کے پسندیدہ فنکار اور خواص کی نظر میں معروف قلمکار بننے، مشہور ادیب و مقبول شاعر کہلانے، معیاری و مستند مبصر و نقاد ثابت ہونے اور معززین و معتمدین کی صفوں میں شامل ہونے کے لیے ہر ایک کو خود بھی بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن پاک میں ﴿وَ ان لَیْسَ لِلاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ کا واضح حکم موجود ہے کہ جو جتنی کوشش کرتا ہے اس کو اتنا (ویسا) ہی پھل ملتا ہے۔ اس کے باوجود لوگ حقائق سے گریزاں رہتے ہیں اور اکثر لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو دوسروں کو Degrade کرنے کی کوشش کرتے اور اپنی جھوٹی انا کو تسکین دیتے ہیں اور اس طرح خود کو مطمئن کرتے ہیں کہ ہم نے ایک اچھا کام کیا کہ کسی کی تحقیر و تذلیل کی کوشش کی۔ بریں بناء میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ:

سب جو کرتے ہیں میں نہیں کرتا
میں جو کرتا ہوں سب نہیں کرتے

(خورشید خاور امروہوی)

میں کہیں لکھ چکا ہوں کہ آج کے مشاہیر کل تک خود بھی غیر اہم و غیر معروف تھے۔ وہ اپنی اٹھان کے دور میں اساتذہ اور مشاہیر کے سامنے مؤدب بیٹھتے تھے اور اپنا کلام سنانے کے موقعوں پر آنکھوں آنکھوں میں داد کی بھیک مانگنے کے لیے طلب کا کشکول پھیلائے ملتجی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے رہتے تھے کہ کوئی تو داد دے، کوئی تو حوصلہ افزائی کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ منتہی بننے کے لیے مبتدی ہونا شرطِ اوّلین ہے۔ یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ آج منتہی کہلانے والے لوگ کل تک خود بھی مبتدی تھے اور اُن کا کلام وقیع کیا قابل اعتناء بھی نہیں تھا (اس لیے کہ کوئی شخص پیدائشی منتہی نہیں ہوتا رفتہ رفتہ ہی علم و فن سے مکلّف ہوتا ہے) چنانچہ وہ اس فکر میں مستغرق رہتے تھے کہ کس طرح استادانِ فن اور معتبر حضرات کی نظروں میں آئیں اور کیسے اُن کی توجہات اپنی جانب مبذول کرائیں کہ ہمارا شمار بھی قابل اعتناء لوگوں میں ہونے لگے۔ آج کے یہ مقتدر حضرات (میری مراد کوتاہ

ہیں و تنگ ظرف لوگوں سے ہے) اپنی آج کی گرم بازاری میں گزشتہ کل کی حیثیت کیوں فراموش کر بیٹھے اور کیوں آج کے متبدیوں کو کم مایہ اور فروتر سمجھتے ہیں، اُن کے کلام کو لایعنی سمجھ کر ایک طرف پھینک دیتے ہیں؟ میں اسے تکبر ہی کہنے پر اکتفاء کروں گا ورنہ تو لفظ تکبر کے مترادف اور کئی ''خوبصورت'' الفاظ موجود ہیں۔

جاننے والے بخوبی جانتے اور ماننے والے اچھی طرح مانتے ہیں کہ میں صداقت پسند اور کسی کی دل شکنی سے گریز کرتے ہوئے صاف گو واقع ہوا ہوں، میں خود کسی کی خوشامد کرتا ہوں اور نہ دوسروں سے اپنی خوشامد کرانی پسند کرتا ہوں۔ اس لیے انجمن تحسین باہمی کا رکن نہیں ہوں، بریں بناء لوگ مجھ سے نالاں و ناخوش رہتے ہیں بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ باستثنائے چند سب مجھ سے حسد کرتے ہیں۔ ساتھ ہی میرے قلم کی رفتار اور اس کی کاٹ سے خائف ہیں کہ کہیں میرا قلم اُن کے شہکاروں کی تنسیخ نہ کرنی شروع کر دے یعنی تبصرے کے بجائے، میں تنقید اور اس سے آگے بڑھ کر تنقیص کو نہ اپنا لوں جس سے اُن کی انا کے بت پاش پاش ہو سکتے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ کتنوں کا بھرم کھل جائے اور وہ چیخ اٹھیں کہ:

غلطی مجھ سے بھی ممکن ہے کہ میں آدمی ہوں
غلطی ہائے مضامیں پہ پشیماں نہ کرو

(خورشید خاور امروہوی)

ان تمہیدی کلمات کے بعد میں اپنے مکرم و محترم استاد نما دوست (گو کہ میں نے ان سے حصول علم نہیں کیا مگر چوں کہ وہ باعتبارِ علم مجھ سے بہت سینئر ہیں اور باعتبار تقویٰ مجھ سے بہت آگے ہیں، اس لیے انہیں اپنا استاد سمجھ کر ان کا احترام کرتا ہوں) اب میں پروفیسر ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کی ''نسبت'' (اُن کا موضوعہ مجموعہ حمد و نعت) کی بابت کچھ اظہارِ خیال کرنا چاہتا ہوں۔

لائق توقیر کشفی محترم کی ''نسبت'' ۹۶ صفحات پر محیط ہے جس میں کل ۳۴ نعتیں ہیں جن میں وہ ۸ نعتیں بھی شامل ہیں جو بغیر مطلع کی ہیں۔ ایک تضمین غیر مردّف ہے علاوہ ازیں غیر مقفّٰی و غیر مردف پانچ از قسم نعت اور ۳ تراجم، نیز ۱۰ نثری نعتیں اور حمدیں ہیں ایک ایک مصرعی نعت بھی ہے جو موصوف ہی کی جدت طرازی ہے، ایک نعتیہ ''ہائیکو'' اور ایک نعتیہ ''واکا'' ہے جو غالبًا دورانِ قیام جاپان انہوں نے سیکھی ہوگی، بقیہ چند متفرق اشعار و قطعات ہیں۔

محترم کشفی صاحب کے اس مختصر مجموعۂ نعت ''نسبت'' میں ۲۷ صنعتیں نظم ہیں جو اُن کے تبحر علمی

کے باعث از خود نظم ہوگئیں جن پر شاید خود موصوف نے بھی توجہ نہیں دی ہوگی۔ اس لیے کہ جو لوگ علم کی بلندی پر پہنچ جاتے ہیں وہ کسی ایک چیز کی طرف اپنی توجہات مرکوز نہیں رکھتے، وہ چوکھی لڑتے ہیں۔ چنانچہ اُن کا رجحان طبع ہمہ جہتی ہو جاتا ہے۔

میں نے ستائیس صنعتیں اُن کے بحرِ ذہانت میں غوطہ زنی کر کے قارئین کرام کے خاصے کے لیے برآمد کی ہیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ انہیں مثبت جذبات و نیک خیالات کے تحت برائے افادہ پڑھا جائے گا۔ میں نے علم بیان و بدیع محض کلام میں خوبی و افادیت تلاش کرنے کے لیے سیکھا اور اس میں درک حاصل کیا ہے۔ چنانچہ اپنا انداز یہی بنا لیا ہے کہ زیر نظر کلام میں صنعتیں تلاش کر کے پیش کروں تاکہ کلام کی خوبی و اہمیت ظاہر ہو سکے۔

محترم پروفیسر ڈاکٹر کشفی سے کون واقف نہیں۔ موصوف تسلیم شدہ ماہر تعلیم، بلند پایہ مقرر، معروف مبصر و مستند نقاد ہیں، اس کے باوجود وہ سراپا محبت شخصیت ہیں۔ جہاں تک ان کی شعر گوئی کا تعلق ہے تو وہ ابھی خواص کے محلات تک ہی محدود ہے اسی لیے اُن کی شاعرانہ صلاحیتیں ابھی پردہ خفا میں ہیں اور عوام کے لیے ابھی تک بے نقاب نہیں ہوئی ہیں۔ میری سطح کے لوگ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ مشارٌ الیہ ایک صاحب دیوان معروف شاعر حضرت ابو محمد ثاقب کانپوری کے فرزند ارجمند ہیں اور اپنی علمیت کے حوالے سے خود بھی مقبول اور معروف شخصیت ہیں۔ ایک عام طالب علم کی حیثیت سے مجھے نہیں معلوم کہ ان کی غزل گوئی کا فشار کس منزل پر ہے۔ مجھے تو اُن کے موضوع گفتگو مجموعہ حمد رب العالمین و نعت سیّد المرسلین ﷺ ''نسبت'' سے معلوم ہوا کہ موصوف بھی نہ صرف شاعر بلکہ چھپے رستم ہیں۔ اب میں ''نسبت'' سے وہ اشعار منتخب کر کے پیش کروں گا جن میں وہ ستائیس صنعتیں نظم ہیں کہ جن کا اوپر اشارہ کر آیا ہوں۔ ہر چند کہ وہ تعداد میں کچھ زیادہ ہیں مگر میں طوالت سے بچنے کے لیے ہر قسم کی دو دو ہی صنعتیں پیش کروں گا، ان شاء اللہ۔

موضوع زیر بحث شروع کرنے سے قبل یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حمد و نعت گوئی آسان اصنافِ سخن نہیں ہیں۔ اقسام نظم میں حمد و نعت وہ قصائد ہیں کہ جو سب سے زیادہ نازک اور انتہائی اہم اصناف سخن ہیں۔ نعت گو کو نہایت محتاط اندازِ فکر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اگر کہیں احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے یا حبِّ رسول ﷺ میں ذرا سی چوک ہو جائے اور قلم حد فاصل سے ذرا سا آگے نکل جائے تو شاعر قعرِ شرک و معصیت میں گر سکتا ہے۔ بعض شعراء اس نزاکت کو نہیں سمجھتے اور رسول معظم ﷺ سے وہ باتیں منسوب کر دیتے ہیں کہ جن کا تعلق ﴿انّ اللہ علی شیءٍ قدیر﴾ سے ہے۔

کشفی صاحب نے اس نکتہ کو پیش نظر رکھا ہے، ملاحظہ کیجئے:

بشر ہے وہ مگر عکس صفات ایسا ہے
کہ کائنات میں تنہا دکھائی دیتا ہے

یہ مطلع ہے جو بجائے خود علم بدیع کی ایک صنعت ہے۔ جسے صنعت **رد العجز علی العروض** کہتے ہیں۔ اس مطلع میں کشفی محترم سے اگر ذرا سی چوک ہو جاتی تو گئے تھے کام سے۔ یعنی اگر وہ آپؐ کو ''بشر'' کہہ کر ''دکھائی دیتا ہے'' نہ لکھتے تو بڑی گڑ بڑ ہو جاتی کیوں کہ تنہا ذاتِ پاک تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور کسی کی نہیں ہوسکتی وہ وحدہٗ لا شریک ہے۔ یہاں بچت کا ایک نکتہ تو یہ ہے کہ انہوں نے ''بشر'' لکھا ہے اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ دکھائی نہیں دیتا اور آپ ﷺ بحیثیت بشر نظر آتے تھے اس لیے بات حد میں رہی۔

کیا ہم کو شکایت ہو زمانے کے ستم سے
ہم زندہ و پائندہ ہیں طٰہٰ کے کرم سے

یہ بھی ایک خوبصورت مطلع ہے اس میں چوں کہ لفظ ''ہم'' ایک سے زائد مرتبہ نظم کیا گیا ہے اس لیے یہ مطلع صنعت تجنیس تکرار لفظی میں ہے۔

توجہ طلب: میں اضافی صنعتوں کی طرف محض اشارے کروں گا مگر جب اُن صنعتوں پر لکھنے کا موقع آئے گا تو ہر صنعت کی تعریف و تعارف بیان کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ علم بدیع میں ہر مطلع صنعت رد العجز علی العروض میں ہوتا ہے:

میرے سجدوں کے نشاں اُن کی عطا میں شامل
سر بلندی ہے نشانِ کف پا میں شامل
ذہن کو اپنے سجا لوں تو ترا نام لکھوں
اپنے لمحوں کو اُجالوں تو ترا نام لکھوں

یہ دونوں اشعار مختلف نعتوں کے مطلعے ہیں۔ اُن کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر ان کے مصرعہ ہائے ثانی کو مصرعہ ہائے اولیٰ کی جگہ اور مصرعہ ہائے اولیٰ کو مصرعہ ہائے ثانی کی جگہ رکھ کر پڑھا جائے تو اس صورت میں بھی یہ دونوں مطلع ہی رہیں گے اور ان کے لطف و معنویت میں بھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا مگر یہ دونوں مطلعے ہی رہیں گے اور اُن کے لطف و معنویت میں بھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا مگر یہ دونوں مطلعے صنعت ترافق میں کہلائیں گے۔ ان مطلعوں میں دوسری صنعتیں بھی دیکھئے۔ پہلے مطلع میں

ایک لفظ ''نشان'' نظم ہوا ہے، جو دونوں مصرعوں کے درمیان ہے، اس لیے یہ صنعت ترافق میں ہونے کے باوجود از روئے تعریف علم بدیع صنعت **رد العجزِ علی الحشو** میں بھی ہے۔ دوسرے مطلع میں دو الفاظ ''سجالوں'' اور ''اجالوں'' نظم ہوئے ہیں۔ دونوں الفاظ باعتبار تعدادِ حروف، اقسام حروف اور آہنگ برابر ہیں۔ صرف ابتدائی حروف ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس لیے یہ مطلع صنعت تجنیس مضارع میں بھی ہے۔ اس شعر کا پہلا مصرع توجہ سے پڑھیں تو ذہن کو سجانے کا مطلب سمجھ میں آئے گا کہ اپنے ذہن کی سلیٹ پر سے منفی خیالات مٹا کر اسے پاک و صاف اور شفاف کر لوں تو اس پر نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی لکھوں:

اس رحمتِ عالمؐ کی عطا سب کے لیے ہے
سرکار کی شفقت کی ردا سب کے لیے ہے
دیکھو تو ذرا نسبتِ سلطانِ مدینہ
طیبہ میں ملی جنت سلطانِ مدینہ

یہ دونوں اشعار بھی خوبصورت مطلعے ہیں، واضح ہو کہ ہر مطلع و مقطع شعر ہوتا ہے لیکن ہر شعر مطلع یا مقطع نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ ان کی شرائط پوری نہ کرے۔ حسب تعریف مذکورہ دونوں ہی اشعار صنعت ردُالعجزِ علی العروض میں ہیں، کیوں کہ ہرہ مطلع علم بدیع میں اسی صنعت میں کہلاتا ہے۔ اب پہلے مطلع میں اضافی صنعت دیکھیے کہ اس کے دونوں مصرعوں کے درمیان لفظ ''کی'' نظم ہوا ہے اس لیے ہی مطلع صنعت **ردُالعجز علی الحشو** میں بھی ہے۔

ہے گنبدِ خضرا کی جھلک سبز ردا میں
سرکارؐ کی چادر کی ضیا میرے لیے ہے

جب کسی شعر کی ساخت ایسی ہو، خواہ وہ مطلع یا مقطع ہی کیوں نہ ہو، کہ وہ شعر جس لفظ سے شروع ہوا ہو اسی لفظ پر ختم ہو بالفاظ دیگر جب کسی شعر کا پہلا اور آخری لفظ ایک ہی ہو تو وہ شعر، مطلع یا مقطع صنعتِ ردُالعجزِ علی الصدر میں کہلاتا ہے۔ یہ شعر لفظ ''ہے'' سے شروع ہوا اور اسی پر ختم ہوا، اس لیے یہ شعر مذکورہ صنعت میں ہے اور چوں کہ دونوں مصرعوں کے درمیان لفظ ''کی'' نظم ہوا ہے اس لیے صنعت **ردُالعجز علی الحشو** میں بھی ہے۔

جب دُور سے طیبہ کے آثار نظر آئے
سرکار دو عالمؐ کے انوار نظر آئے

تیری تلوار ہے فاروقؓ معظم کی نگاہ
تیرا محبوب ہے کرارؓ رسولِ عربی

جب کسی شعر کے دونوں مصرعوں کے مابین کوئی ایک لفظ نظم پایا جائے تو وہ شعر علمِ بدیع کی رُو سے صنعتِ **ردُالعجز علی الحشو** میں کہلاتا ہے(جیسے کہ اس سے پہلے بھی اشعار آئے ہیں) یہاں بھی پہلے شعر کے دونوں مصرعوں کے درمیان لفظ ''کے'' نظم ہوا ہے اور دوسرے شعر کے مابین لفظ ''ہے'' نظم ہوا ہے اس لیے دونوں اشعار مذکورہ صنعت میں ہیں۔ دوسرے شعر کے دونوں مصرعوں کے ابتدائی الفاظ ''تیری'' اور ''تیرا'' ہم جنس ہیں ان کے حروف کی تعداد بھی برابر ہے اور حروف بھی سب ایک ہی ہیں صرف پہلا حرف دونوں کا مختلف ہے اس لیے از روئے تعریف یہ شعر صنعت تجنیس مضارع میں بھی ہے۔

حِرا سے سبز گنبد تک مسلسل
سفر اندر سفر ہے اور میں ہوں
یہ ان کا کرم، ان کا کرم، ان کا کرم ہے
ہر صاحب ایمان کی دھڑکن میں محمدؐ

جب کسی شعر میں کوئی ایک لفظ (ردیف کے علاوہ) ایک سے زائد مرتبہ استعمال کیا گیا ہو، یعنی کسی لفظ کی تکرار کی گئی ہو تو وہ شعر صنعت تجنیس تکرار لفظی میں کہلاتا ہے۔ اُوپر کے پہلے شعر میں لفظ ''سفر'' ایک سے زائد مرتبہ نظم کیا گیا ہے اور دوسرے شعر میں ''اُن کا کرم'' کی تکرار ہے اس لیے یہ اشعار مذکورہ صنعت میں ہیں۔

مدینہ ایک کنایہ ہے زندگی کے لیے
مدینہ صوت و صدا کے بغیر حسنِ کلام

جب کسی شعر میں ایسے دو الفاظ نظم ہوں جو ہم معنی ہوں تو وہ شعر صنعتِ تکرار معنوی میں کہلاتا ہے۔ اس شعر میں ''صَوت'' اور ''صَدا'' ہم معنی الفاظ ہیں، بریں بناء یہ شعر مذکورہ صنعت میں ہے یہاں لفظ کنایہ بھی توجہ طلب ہے اور شاعری میں اکثر باتیں کنایتاً کہی جاتی ہیں:

وقت کے جبر سے بالا ہوں رسول ِ اکرم
میری ہر شام و سحر آپؐ سے وابستہ ہے

....

فصل خزاں میں احمد مختارؐ سے بہار
وہ رنگ اور نمود کا اک دائرہ بھی ہے

جب کسی شعر میں اجتماع ضدین ہو یعنی دو متضاد الفاظ نظم ہوں مگر ان کے ساتھ نفی کا کوئی لفظ نہ ہو تو علمِ بدیع میں وہ شعر صنعتِ تضاد یا طباقِ ایجابی میں ہوتا ہے، پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں دو الفاظ ''شام'' اور ''سحر'' اور دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں دو الفاظ ''خزاں'' اور ''بہار'' نظم کیے گئے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، بہ ایں وجہ یہ اشعار مذکورہ صنعت میں ہیں۔

یاں مشرق و مغرب کا تفاوت نہیں کشفی
دامانِ رسالتؐ کی ہَوا سب کے لیے ہے
وہ ظاہر و باطن بھی وہی اوّل و آخر
انسان کو کیا کچھ نہ ملا اسؐ کے کرم سے

یہ اشعار بھی پہلے دونوں اشعار کی طرح متضاد نام اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں، یعنی پہلی شعر کے پہلے مصرع میں ''مشرق'' اور ''مغرب'' جیسے متضاد الفاظ کا اجتماع ہے اور نفی کا لفظ ''نہیں'' بھی موجود ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں الفاظ ''ظاہر'' اور ''باطن'' ایک دوسرے کے ساتھ نظم ہیں اور نفی کا لفظ ''نہ'' بھی نظم ہوا ہے۔ جب کسی شعر میں متضاد الفاظ کے ساتھ نفی کا بھی کوئی لفظ نظم ہو جیسا کہ اوپر کے دونوں اشعار میں ہے تو وہ شعر صنعتِ تضاد یا طباق سَلبی میں کہلاتا ہے۔ یہ دونوں اشعار اسی صنعت میں ہیں۔ پہلے شعر میں چوں کہ شاعر موصوف نے اپنا تخلص نظم کیا ہے اس لیے یہ شعر مقطع بھی ہے اور دوسرا شعر حمد ربّ العالمین کا ہے کہ وہی اوّل و آخر ہے اور وہی ظاہر و باطن بھی ہے۔

ہے کشادِ درِ دل سیّد والا کی عطا
درد و احساس مدینے کی ہوا میں شامل

....

ہر قید زماں اور مکان ہے مری نخچیر
جو زندہ رہے اب وہ سماں لے کے چلوں گا

جب کسی شعر میں ایسے دو الفاظ نظم ہوں جو ہم جنس ہوں اور ایک کی نسبت دوسرے لفظ میں ایک حرف کم یا زیادہ ہو تو از روئے تعریف علمِ بدیع وہ شعر تجنیسِ زائد و ناقص میں کہلاتا ہے۔ پہلے

شعر کے پہلے مصرع میں لفظ ''در'' اور دوسرے مصرع میں لفظ ''درد'' نظم ہوئے ہیں۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں لفظ ''ہے'' اور دوسرے میں لفظ ''رہے'' نظم ہیں، دونوں ہم جنس ہیں۔ دونوں جوڑوں میں ایک لفظ کی نسبت دوسرے لفظ میں ایک ایک حرف کم و بیش ہے۔ از روئے تعریف مندرجہ بالا یہ اشعار صنعتِ تجنیس زائد و ناقص میں ہیں۔ اسی طرح ایک اور صنعت ہوتی ہے جس میں دو حروف کی کمی و بیشی ہوتی ہے، مثلاً:

نغمۂ احمدؐ مرسل ہے مقدر اپنا
ہر صداقت ہے اُسی ایک صدا میں شامل

جب کسی شعر میں ایسے دو ہم جنس الفاظ نظم ہوں کہ جن میں ایک کی نسبت دوسرے لفظ میں دو حروف کم و بیش ہوں تو اسے علم بدیع میں صنعتِ تجنیس مزیّل کہتے ہیں۔ اس شعر کے دوسرے مصرع میں ایک لفظ ''صداقت'' اور دوسرا ''صدا'' نظم کیا گیا ہے۔ دونوں ہم جنس ہیں مگر ایک لفظ میں دوسرے کی نسبت دو حروف کم یا زیادہ ہیں، بریں بناء یہ شعر مذکورہ صنعت میں ہے اور چوں کہ دونوں مصرعوں کے درمیان لفظ ہے'' بھی نظم ہوا ہے، اس لیے یہ شعر صنعتِ **رڈُالعجز علی الحشو** میں بھی ہے۔

احمدؐ تھا اور خالق اکبر کا شاہکار
حامد تھا اور حمد کو گہرائی دے گیا

جب شاعر کسی شعر میں ایسے الفاظ نظم کرے جو ایک ہی مادے سے مشتق ہوں تو وہ شعر صنعتِ اشتقاق میں ہوتا ہے۔ اس شعر میں احمد، حامد اور حمد تینوں ایک ہی مادے سے مشتق ہیں، اس لیے مذکورہ صنعت میں ہیں۔

ہر ایک لفظ کے معنی سے اک جہاں پیدا
تری نوا سے ہوا حرف جاوداں پیدا

جب کسی شعر میں ایسے دو ہم جنس الفاظ نظم کیے جائیں کہ جن کا پہلا یا آخری حرف ایک دوسرے سے مختلف ہو اور بقیہ حروف ایک ہی ہوں تو وہ شعر صنعتِ تجنیس مضارع میں ہوتا ہے۔ اس شعر کے دوسرے مصرع میں ایک لفظ ''نوا'' اور دوسرا ''ہوا'' ہم جنس ہیں، لیکن دونوں الفاظ کا پہلا حرف ایک دوسرے سے مختلف ہے، اس لیے یہ شعر مذکورہ صنعت میں ہے۔

کوئی صدیقؓ بنا اور کوئی نوروں والا
تیرا دربار ہے دربار رسولؐ عربی

جب کسی شعر میں ایسے دو ہم جنس الفاظ نظم پائے جائیں کہ جن میں صرف اعراب کا فرق ہو تو وہ شعر صنعت تجنیس محرف میں ہوتا ہے، اس شعر میں ایک لفظ ''دربار'' بمعنی جلسہ شاہی اور دوسرا ''دربار'' بمعنی موتی برسانے والا۔ صرف اعراب کے اس فرق کی وجہ سے یہ شعر مذکورہ صنعت میں ہے:

وہ صادق و امین تھا کشفی خدا گواہ
جو اپنے یار غار کو سچائی دے گیا

جب کوئی شاعر ایسا شعر کہتا ہے کہ جس میں کنایۃً کسی واقعہ کا اظہار ہو تو اسے تلمیح کہتے ہیں اور تلمیح بھی ایک صنعت ہے۔ آپﷺ صادق اور امین تو اپنے کمسنی کے دور سے ہی مشہور تھے۔ آپﷺ نے واقعہ معراج کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے حضرت عبداللہ ابوبکرؓ کو ''صدیق'' کے لقب سے ملقب فرمایا تھا۔ یہاں اس واقعہ کی تصدیق کرنے والے حضرت صدیق اکبرؓ کو ''یارِ غار'' لکھ کر تلمیح پیدا کی گئی ہے۔ اصطلاحاً ''یارِ غار'' مخلص دوست کو کہا جاتا ہے، وہ مخلص بھی تھے لیکن یہاں خصوصیت سے سفر ہجرت کے موقع پر غارِ ثور میں آنحضرتﷺ کے ساتھ مقیم (یارِ غار) کو سچائی یعنی صداقت گوئی سے جو نوازا گیا تھا، اس کا اظہار ہے چنانچہ یہ شعر صنعتِ تلمیح میں ہے، اس قبیل کا دوسرا شعر:

اپنے دشمن کے جو سینے سے اتر آیا تھا
اس جری حیدرؓ کرار کی یاد آتی ہے

یہ شعر پڑھ کر وہ واقعہ یاد آ گیا جب حضرت علی مرتضٰی ایک کافر پہلوان مرحب کو پچھاڑ کر اس کے سینے پر سوار ہوئے تو اس بد باطن نے بدتمیزی کی اور ان کے چہرے پر تھوک دیا۔ موصوف اس خبیث کی اس جسارت قبیحہ پر ناراض ہونے اور اسے قتل کرنے کے بجائے اس کے سینے سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔ جب اس نے اس کا سبب دریافت کیا تو موصوف نے فرمایا کہ میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کر رہا تھا لیکن تیری اس بدتمیزی سے مجھے غصہ آ گیا اور چوں کہ جہاد میں ذاتیات کا دخل نہیں ہوتا، اس لیے میں نے تجھے چھوڑ دیا اب تو اُٹھ کر مجھ سے پھر مقابلہ کر، اللہ اکبر کیا جذبہ تھا۔ حاصل کلام یہ کہ جس پارہ نثر یا حصہ نظم میں کوئی ایسا جملہ یا شعر نظم پایا جائے کہ جس

سے کوئی اہم واقعہ یاد آ جائے تو وہ فقرہ یا شعر صنعتِ تلمیح میں کہلاتا ہے، یہ دونوں اشعار اسی صنعت میں ہیں:

لَولاک لَمَا ایک حقیقت کا ہے اظہار
ہے نقشِ جہاں پَرتَوِ تابانِ محمدؐ

اس شعر میں حدیث قدسی کا ایک حصہ نظم کیا گیا ہے۔ پوری حدیث شریف ہے **لَولاکَ لَمَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ** یعنی اللہ تعالیٰ نے ''سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا تھا''۔ بہرحال جس شعر میں دو زبانوں کی آمیزش ہو وہ صنعت تلمیح میں کہلاتا ہے۔ اس شعر کی ساخت ایسی ہی ہے اس میں اُردو کے ساتھ عربی جملہ نظم کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ شعر صنعتِ تلمیح میں ہے:

اقدار کا احساس اسی نام کا صدقہ
ہاں احمد مختارؐ کی عظمت پہ نظر ہے

جب شاعر کوئی ایسا شعر موزوں کرے کہ جس کے دونوں مصرعوں یا ایک مصرع کے جملہ منقوطہ الفاظ اوپر نقطوں والے ہوں تو وہ شعر صنعت فوق النقاط میں کہلاتا ہے اور اگر اس کے برعکس نیچے نقطوں والے ہوں تو وہ شعر صنعت تحت النقاط میں کہلاتا ہے۔ اس شعر کے پہلے مصرع میں جملہ منقوطہ الفاظ اوپر نقطوں والے ہیں اس لیے یہ شعر صنعت فوق النقاط میں ہے۔ اسی قبیل کا ایک اور شعر دیکھیں:

اس حدِّ مکانی سے گزر کر ترا نغمہ
میں نے بھی سنا ہے مرے آقاؐ مرے مولاؐ

اس شعر کے بھی پہلے مصرع میں جملہ منقوطہ الفاظ اوپر نقطوں والے ہیں، چنانچہ یہ شعر بھی مذکورہ صنعت میں ہے۔

''کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا ایں جاست'' کے مصداق میں آگے بڑھنے سے رک رہا ہوں اور تحریک ہو رہی ہے کہ اس شعر کے بارے میں اپنی کج مج سمجھ کے مطابق نہیں، جیسا کہ اکثر لوگ لکھتے ہیں بلکہ اپنی نکتہ سنجی کی اجمالی تشریح کروں۔ میں اپنے احساسات کو جو یہ شعر پڑھ کر گرمائے، اپنی کج مج سمجھ کے مطابق کہہ کر کمزور نہیں کرنا چاہتا، یہ انکساری میرے تیقن کی نفی کر دے گی اور میں اپنے احساسات کی ریڑھ تحقیق نہیں مارنا چاہتا۔ اس لیے عرض کروں گا کہ مجھے کچھ لکھنے کی تحریک ''حدِّ مکانی سے گزر کر'' پڑھنے سے ہوئی، چنانچہ میرے تخیل نے اس حصہ نظم کا مفہوم پانے کے لیے

پرواز کی کہ ''حدِّ مکانی سے گزر کر'' کا کیا مطلب ہے؟ جب مثبت ومنفی سوچ کا ماحصل سامنے آیا تو وہ وہی تھا، جس نے مجھے آگے بڑھنے سے روکا تھا، یعنی یہ کہ محترم ڈاکٹر کشفی روضہ رسول معظم ہادی برحق حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر حاضری دیتے دیتے اور اپنے زہد و اتقاء کے باعث سلوک کے اس مقام تک رسائی حاصل کر چکے ہیں کہ اُن کی قوت سماعت حدِّ مکانی سے ماوریٰ مقام تک پہنچ کر ارشاداتِ محبوب رب العالمین سن چکے ہیں، سبحان اللہ والحمدللہ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اپنے پیارے پیغمبر آخرالزماں ﷺ کے صدقے میں ان کے درجات اور بلند فرمائے اور مجھ احقر و ناچیز اور نامراد و پُرمعاصی پر بھی وہ مشفقانہ نظر ڈالتے رہیں۔ آمین

دیارِ غرب میں آنکھیں کسی کی اشک فشاں
دیارِ پاک میں نغمہ کسی زبان پہ ہے
کسی ضعیف کی بے نور ہوتی آنکھوں میں
جہانِ گنبد خضریٰ ابھی منور ہے
وہ خوش نصیب ہیں جن کو ترا پیام ملے
''ہزار بار برو صد ہزار با بیا''

جب کوئی شاعر کسی دوسرے شاعر کا مصرع اپنے کلام میں شامل کرتا ہے تو اس مصرع کو واوین میں لکھتا ہے جیسا کہ اوپر کے بند میں ہے۔ اگرچہ یہ بند قافیہ کی قید سے عاری ہے، پھر بھی اس عمل کو تضمین کہتے ہیں، چنانچہ یہ بند صنعت تضمین میں ہے (اور مسدس کا بند ہے) اور جس مصرع کو تضمین کیا گیا ہے وہ مولانا عبدالرحمٰن جامی کا ہے اور اس میں تلمیح ہے۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ مولانا جامی نے روضہ رسول الثقلین ﷺ پر حاضری دی اور صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے بعد حضور ﷺ سے دوبارہ حاضری کی اجازت کی خواہش کی تو آواز آئی:

ہزار بار برو صد ہزار بار بَیا

سبحان اللہ قربان جایئے اس لطفِ کریمانہ کے۔ انہوں نے پھر حاضری دی اور دل کو پھر وہی حاضری کا شوق سرشار کرتا رہا۔ واپس ہونے لگے تو صدا آئی۔

بسفر رفتنت مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی

اللہ اکبر رحمۃ للعالمین کی بارش رحمت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ یہ تو مصدقہ نہیں کہ انہوں نے کتنی مرتبہ

حاضری دی، البتہ یہ منقول ہے کہ آخری مرتبہ حاضری پر صرف یہ آواز آئی۔

بسفر رفتنت مبارک باد

مولانا جامی منتظر رہے کہ دوسرا مصرع بھی عطا ہو مگر نہ ہوا تو مترشح ہوا کہ یہ سفر آخری تھا، اب حاضری کا حکم نہیں ہے۔ کشفی محترم نے پہلا مصرع

وہ خوش نصیب ہیں جن کو ترا پیام ملے

لکھ کر بات واضح کر دی کہ یہ مصرع کسی اور کے لیے فرمایا گیا تھا جنہیں موصوف نے خوش نصیب لکھا ہے۔ اس لیے یہ بند صنعتِ تلمیح میں ہے:

کبھی قدسی، کبھی جامی و اقبال
تماشائے ہنر ہے اور میں ہوں

....

صداقت دل صدیقؓ سے چراغ وجود
ادائے عشق بلالؓ لہو میں زندہ ہے

جب شاعر اپنے کلام میں کسی فرد یا افراد کا ذکر اچھے الفاظ میں کرتا ہے، اگر وہ کسی بقیدِ حیات شخص کے لیے ہے تو اسے ''خراجِ تحسین'' اور اگر مرحوم کے لیے ہے تو اسے ''خراجِ عقیدت'' کہتے ہیں۔ ان اشعار منقولہ میں مرحومین کو یاد کیا گیا ہے اس لیے یہ صنعت خراجِ عقیدت میں ہیں۔ ان بیس صنعتوں کے علاوہ سات صنعتیں اور ہیں جو حسب ذیل ہیں:

جو لمحہ تری یاد سے آباد ہوا ہے
اک کُنجِ حرا ہے مرے آقاؐ مرے مولاؐ

جب شاعر کوئی ایک شعر کہہ کر چھوڑ دے تو علم بدیع کی رُو سے اسے فرد کہا جاتا ہے یعنی تنہا، یہ شعر چوں کہ تنہا ہے اس لیے یہ فرد ہے اور اس شعر میں چوں کہ لفظ ''مرے'' ایک سے زائد بار نظم کیا گیا ہے، اس لیے یہ فرد صنعت تجنیس تکرار لفظی میں ہے۔

اصطلاحِ شاعری میں قطعہ کے معنی ہیں ٹکڑا۔ قطعہ بالعموم بغیر مطلع کے دو شعر ہوتے ہیں، (جن کے صرف دوسرے مصرعوں میں قافیہ اور ردیف کا التزام ہوتا ہے۔ البتہ رباعی میں تین مصرعے پہلا دوسرا اور چوتھا۔ مقفیٰ و مردّف ہوتے ہیں، چار مصرعوں پر مشتمل ایک ٹکڑا اور بھی ہوتا ہے جسے ''مربع'' کہتے ہیں، اس کے چاروں مصرعے مقفیٰ و مردّف ہوتے ہیں) لیکن چار، آٹھ یا بارہ بلکہ اُن سے زائد

اشعار پر بھی مشتمل ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ چار سے پورے پورے تقسیم ہو جائیں۔ (استاد ذوق کے یہاں ۲۸ اشعار پر مشتمل قطعہ موجود ہے) قطعہ بالعموم علیحدہ ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ علیحدہ صنف شاعری ہے اور علم بدیع میں ایک صنعت تسلیم کیا گیا ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ غزل، نظم، قصیدہ، اور نعت وغیرہ میں شاعر دو مصرعوں کے درمیان ''ق'' لکھ کر اشارہ کر دیتا ہے جس سے دو مصرعوں کے مابین تعلق ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے، ذیل میں جو اشعار پیش کیے جائیں گے وہ ایک نعت کا حصہ ہیں جن کے درمیان لفظ ''ق'' ہونے کی وجہ سے اسے قطعہ بند کہا جائے گا۔ واضح رہے کہ قطعہ کے چاروں مصرعے مربوط ہوتے ہیں۔ اگر زائد ہوں تو بھی مربوط ہوں گے۔ جس نعت کے ٹکڑے کے حوالے سے گفتگو کی گئی وہ نعت آٹھ اشعار پر مشتمل ہے، اس کا مطلع ہے:

ہے یاد تری اپنا ہنر سید عالمؐ
اور اشکِ جگر تابِ گہر سیدِ عالمؐ

اسی نعت کا پانچواں اور چھٹا شعر ہے:

عثمانؓ و ابوبکرؓ و علیؓ کی تجھے سوگند
مل جائے مجھے میری خبر سیّدِ عالمؐ

......ق......

تابندہ و بے باک کرے میرے جنوں کو
فاروقؓ معظم کی نظر سیّدِ عالمؐ

ہرچند کہ یہ چاروں مصرعے مربوط ہیں، لیکن نعت مذکور میں انھیں علیحدہ ظاہر کرنے کے لیے ''ق'' بنا کر قافیہ بند واضح کیا گیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اصل مجموعہ نعت ''نسبت'' میں سہو کتابت کی وجہ سے ''ق'' بننے سے رہ گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ یہ قطعہ تھا جو پیش کیا گیا۔ اسی قبیل کی دوسری صنف ذیل میں پیش کی جا رہی ہے جسے صنعتِ مربع کہتے ہیں۔

پھر پیش نظر سیّد عالمؐ کا حرم ہے
یہ ربِّ محمدؐ کی عنایت ہے کرم ہے
پھر لب پہ مرے ذکرِ شہنشاہ اممؐ ہے
پھر زیرِ قدم عظمتِ اسکندر و جم ہے

قطعہ اور رباعی کی طرح یہ بھی چار ہی مصرعے ہوتے ہیں، لیکن جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ قطعہ بغیر

مطلع کے ہوتا ہے یعنی وہ عام سے دو مربوط شعر ہوتے ہیں، رباعی میں ایک مطلع اور ایک شعر ہوتا ہے جبکہ مربع میں دو مربوط مطلعے ہوتے ہیں، یعنی مربع کا ہر مصرع مقفیٰ و مردّف ہوتا ہے تو محررہ بالا چار مصرعے مربع ہیں۔ یہ نعت بھی آٹھ ہی اشعار پر مشتمل ہے جس کے ابتدائی دو مطلعے بشکل مربع پیش کیے گئے۔ ایسے ہی دو مطلعے مطلع اور حسن مطلع کہلاتے ہیں مگر حسن مطلع کا مضمون مطلع کے مضمون سے مختلف ہوتا ہے یعنی مطلع اور حسن مطلع کے مضامین علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

تو سر گروہِ انبیاء
رحمت کی تجھ پر انتہا
ہے ذات تیری حق نما
تو ہے نشانِ کبریا
صلی علیٰ صلی علیٰ یا مصطفےٰ یا مجتبیٰؐ

اسے علم بدیع میں خمسہ کہا جاتا ہے۔ خمسہ میں اسی طرح کے ہم قافیہ و ردیف اور مربوط المضمون پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔ ایک سے زائد خمسوں کی صورت میں اگلے چار مصرعے دوسرے قوافی میں مردف ہوتے ہیں، لیکن پانچواں مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہوتا ہے کبھی کبھی وہی پانچواں مصرع دہرایا جاتا ہے۔ از روئے تعریف بالا یہ خمسہ ہے جو پیش کیا گیا یہ بھی نعت کا ایک حصہ ہے جو تین خمسوں پر مشتمل ہے۔

اب آخری صنعت کے صرف مقطعے پیش کیے جاتے ہیں کیوں کہ علم بدیع میں مقطع بھی ایک صنعت ہے۔

بلقیس بھی کشفی بھی پریشاں ہیں دونوں
اب رب محمدؐ کی عنایت پہ نظر ہے
کشفی کو عطا کس سے ہوئے اشکِ محبت
آواز کو یہ رنگ صفا کس سے ملا ہے

....

سلام جس کو کریں ہفت آسماں کشفی
اسی کا خون ہوں اور اس کے خاندان میں ہوں

پہلے شعر یعنی مقطع کے دوسرے مصرع میں ''اب'' اور ''رب'' دو متجانس الفاظ نظم کئے گئے ہیں۔

دونوں کا پہلا حرف ایک دوسرے سے مختلف ہے بقیہ سب یکساں ہیں، جس کی وجہ سے یہ شعر صنعتِ تجنیس مصارع میں ہے۔ اس مقطع میں جناب و بیگم کشفی دونوں کے نام نظم کئے گئے ہیں۔ دوسرے شعر کے درمیان لفظ ''کس'' نظم کیا گیا ہے، بریں بناء یہ شعر صنعتِ ردُ العجزِ علی الحشو میں ہے۔

تیسرے شعر میں شاعر موصوف نے ''اسی کا خون ہوں'' لکھ کر اپنے نسبِ پر فخر کیا ہے۔ جب کسی شعر میں شاعر اپنے تئیں کوئی فخریہ بات کہے تو اسے علمِ بدیع میں ''تصلیف'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ شعر صنعتِ تصلیف میں ہے۔ کم علم لوگ اسے تعلّی Boasting کہتے ہیں۔ یہ ستائیسویں صنعت تھی جو اس نعتیہ مجموعہ کلام ''نسبت'' میں مجھے مل سکی ہے نیز یہ کہ اس مقطع میں مجموعہ کلام کا نام مضمر ہے مگر ایمائیت کے ساتھ ہے، اب دس اشعار اور پیش کروں گا۔ اگر ان میں کوئی صنعتِ نظر آئی تو اس کا بھی اظہار کروں گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس شہر محبت کے صحیفوں پہ فرشتے
میرے لئے جز حرف دعا کچھ نہیں لکھتے
آپؐ کے نام میں ہر لفظ کا مفہوم ملے
میرے سرکارؐ ہیں ہر دور کی زندہ فرہنگ

....

جس کے ہونٹوں سے ملے لفظ و معانی کو گہر
وہ مرے حرف کو ایک تازہ نوائی دے گا

....

حرفِ دعا پہ لگ گئی جیسے قبولیت کی مہر
لوحِ جبیں پہ جب لکھا صلِ علیٰ محمدؐ

....

خواجہ وسعتِ افلاک و زمین تجھ پہ سلام
لو تری دل میں بڑھا لوں تو ترا نام لکھوں
اس کڑی دھوپ میں بخشش کا سہارا ہم کو
آپ کا سایۂ دیوار رسولؐ عربی
قرآن کے اوراق میں پڑھتا ہوں انہی کو
اس مصحفِ ناطق کی تلاوت پہ نظر ہے

خاموش سی ایک طرزِ فغاں لے کے چلا ہوں
آنکھوں میں نہاں اشکِ رواں لے کے چلا ہوں

....

اب گنبد خضریٰ کے سوا عکس نہ منظر
آنکھوں میں محبت کا بیاں لے کے چلا ہوں

....

اعمال تو دامن میں نہیں ہیں مرے کشفی
بخش کا سبب ''نسبت'' سلطانِ مدینہ

....

منقولہ بالا اشعار میں لوازمۂ شعری یعنی ترنم و تغزل، معنویت و ایمائیت، سلاست و روانی اور تخیل و تفکر بھرپور ہے، نیز بڑے سلیقے سے اپنا مافی الضمیر پیش کیا گیا ہے اور عالمانہ انداز میں صنعتیں سموئی ہیں۔

پہلے شعر میں مدینۃ الرسول کو بجا طور پر شہرِ محبت لکھا ہے (وہ ہے ہی پیار و محبت کا نگر) اور یہ کہ میرے لئے وہاں کے صحیفوں پر ملائکہ صرف دعائیہ کلمات لکھتے ہیں۔

دوسرے شعر میں سرکارِ رسالت مآبﷺ کو ہر زمانے کی زندہ فرہنگ لکھا ہے اس لئے کہ آپؐ کے فرمودات کا ایک ایک لفظ اپنے اندر جہانِ معنی و مفاہیم رکھتا ہے۔ لفظ ''پر'' چوں کہ اس شعر کے دونوں کے مصرعوں کے درمیان نظم ہوا ہے اس لئے یہ شعر صنعتِ رَد العجزِ علی الحشو میں ہے۔

تیسرے شعر میں آنحضرتﷺ کی بابت لکھا ہے کہ آپﷺ کے ہونٹوں سے ہمیں لفظ و معانی کے گہر ملے ہیں، یعنی کلام مجید عطا ہوا ہے۔ چنانچہ آپﷺ ہی میرے حروف کی تازہ نوائی سے نوازیں گے۔ اس شعر کے دوسرے مصرعے میں چوں کہ جملہ حروف و الفاظ اوپر کے نقطوں والے ہیں اس لئے یہ شعر صنعتِ فوق النقاط میں ہے۔

چوتھے شعر میں اظہار اطمینان کیا گیا ہے کہ میری لوح جبیں پر صلِ علیٰ محمد لکھا گیا ہے، گویا قبولیت دعا کی مہر لگ گئی ہے۔

پانچویں شعر کے پہلے مصرع میں ایک لفظ ''زمیں'' اور دوسرے مصرع میں لفظ ''میں'' نظم ہوا ہے، دونوں ہم جنسی الفاظ میں ایک کی نسبت دوسرے لفظ میں ایک حرف ''ز'' کم و بیش ہے، جس کی وجہ

سے شعر صنعت تجنیس زائد و ناقص میں ہے، دوسرے اس میں دو متضاد الفاظ ''افلاک'' اور ''زمین'' نظم ہیں۔ اس اجتماعِ ضدین کی وجہ سے یہ شعر صنعتِ طباق ایجابی میں بھی ہے، علاوہ ازیں اسی میں دو الفاظ ''تری'' اور ''ترا'' بھی نظم ہیں جن کا آخری حرف ایک دوسرے سے مختلف ہے، بریں بناء یہ شعر صنعتِ تجنیس مضارع میں بھی ہے، گویا یہ شعر تینوں صنعتوں کا حامل ہے۔ باعتبار مضمون بھی یہ بہت بلند شعر ہے کہ شاعر نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی اپنے صفحۂ دل پر لکھنے کے لئے اپنے قلب تاریک کو روشن کرنے کے خیال سے آپ ﷺ کی یاد کی لَو بڑھانا چاہتا ہے تاکہ جب قلب روشن ہو جائے تو آپ ﷺ کا نام نامی لکھ سکے۔

چھٹے شعر میں اجتماع ضدین ہے۔ پہلے مصرع میں ''دھوپ'' اور مصرع میں ''سایہ'' نظم ہے جس کی وجہ سے یہ شعر صنعت طباق ایجابی میں ہے۔ لیکن چوں کہ دھوپ، سایہ، دیوار اور سہارا سب ایک دوسرے کی رعایت سے نظم کئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ شعر صنعتِ مراعات النظیر میں ہے۔

ساتواں شعر بھی بہر اعتبار بہت بلند مرتبہ ہے۔ اس کے پہلے مصرع میں ''پڑھنا'' اور دوسرے میں ''تلاوت'' ہم معنی الفاظ ہیں اس لئے کہ یہ شعر صنعتِ تکرار معنوی میں ہے۔ دوسرے یہ کہ شاعر موصوف قرآن مجید میں آپؐ ہی کو پڑھنے کا دعویٰ کرتے ہیں جو بالکل درست ہے اس لئے کہ جب چند صحابہ کرامؓ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضورؐ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں کچھ جاننا چاہا تو موصوفہ نے فرمایا کہ: ''وَکَانَ خلقه القُرآن'' یعنی کیا تم قرآن مجید نہیں پڑھتے؟ گویا آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور افعال و کردار سب قرآن مجید کے مطابق ہیں۔ اسی لئے مولانا عبد الرحمٰن جامی نے فرمایا تھا ؎

دو عالم روز و شب در گفتگویش
''ہمہ قرآن در شانِ محمد ﷺ''

یعنی پورا قرآن رسولِ معظم ﷺ کی شان اور آپ ﷺ کی تعریف میں ہے، اسی لئے تو آپؐ کو مصحفِ ناطق کہا جاتا ہے جو شاعر موصوف نے نظم کیا ہے۔

آٹھواں اور نواں شعر ایک ہی نعت شریف کے ہیں، جن میں مدینہ طیبہ سے واپسی کے وقت کے تاثرات بیان کئے ہیں، جو واقعی رقت آمیز ہیں۔

اور اب آخری شعر اعتراف معصیت کا غماز ہے۔ کہتے ہیں کہ اے کشفی میرے دامن میں اعمالِ حسنہ تو ہیں نہیں لیکن میری بخشش کا سبب سلطان مدینہ ﷺ سے نسبت ہے۔ اس نسبت سے ایمان و

ایقان میں پختگی ہے، چنانچہ اس نسبت کے واسطے سے بخشا جاؤں گا۔ اس شعر میں جو ''نسبت'' کا لفظ نظم ہوا ہے، وہی کتاب ہٰذا کا نام ہے، پھر یہ کہ چوں کہ اس لفظ کی وجہ سے اس شعر میں احساس تفاخر نمایاں ہے، اس لئے یہ شعر صنعتِ تصلیف میں ہے۔

محترم کشفی صاحب کی ''نسبت'' میں صنائع بدائع کی نشاندہی کے بعد اب میں صرف یہی عرض کروں گا کہ آں موصوف ترسیلِ علم میں اس قدر منہمک و مستغرق ہیں کہ انہیں فکر سخن کا حسب ضرورت موقع ہی نہیں ملتا، اگر ترسیلِ علم اور دوسری ادبی مصروفیات تحریری و تقریری سے لمحات فرصت ملیں تو عرصہ شعر گوئی میں ان کا رہوارِ فکر و فرسِ کلک یقیناً اس سے زیادہ تیز دوڑیں۔ یہ بات میں نے اپنے مشاہدے کی بنیاد پر لکھی ہے۔ میں صحت کے ساتھ ان کی درازی عمر کی دعا کرتا ہوں تا کہ وہ دیر تک خدمت زبان و ادب اور خلق اللہ کرتے رہیں۔ (آمین ثُمّ آمین)

☆☆☆☆☆